

## عملی تحقیق کے لئے ایک مشق بحوالہ نظیر اکبر آبادی

Dr. Anwaar Ahmad, Chairman, National Language Authority, Islamabad

Dr. Rubeena Rafiq, Jamia Islamia, Bahawalpur

### A Hypothesis with Reference to Nazir Akbar Abadi for Research

This research paper has been designed as a lesson/exercise for research students of M.phil/Ph.D. It is based upon a hypothesis that Nazeer Akbar Abadi [1735-1830] was a secular poet. Main arguments for this hypothesis are: (a) Teaching a profession and passion for the poet. (b) Enjoying to live and communicate with commoner. (c) Epicurean attitude of poet tinged with the sorrow of short lived life. Some aspects has been suggested for further research too.

(تمہید: اردو تحقیق کے سنجیدہ طالب علموں کا اضطراب ان چار نکات پر مرکوز ہے: تحقیق اور تنقید کا تعلق: ادبی تنقید کا سماجی علوم سے تعلق: موضوعات تحقیق کی تلاش: عملی تحقیق کے لئے مواد کی فراہمی، چوتھے نکتے پر توجہ مرکوز کرتے ہوئے اگر اساتذہ عملی تحقیق کے کچھ اسباق تیار کریں، تو پہلے تین سے متعلق بھی گفتگو کا ازالہ ہو سکتا ہے)

۲۰۰۸ء میں اردو کے ایک پاکستانی استاد کو غالب انسٹی ٹیوٹ، دہلی سے ایک سیمینار میں شرکت کا دعوت نامہ ملا، جو نظیر اکبر آبادی (۱۷۳۵-۱۸۳۰) کے حوالے سے منعقد ہو رہا تھا، منتظمین نے مقالات کے لئے جو ذیلی عنوانات تجویز کئے تھے، وہ دو درجن سے زیادہ تھے۔ (مقالات کی تکرار سے بچنے کے لئے ایسا کیا جاتا ہے) اس استاد کو اپنی طبیعت اور ذوق کی مناسبت سے یہ عنوان غیر معمولی اور فکر انگیز نظر آیا، ”نظیر اکبر آبادی کی شاعری کا سیکولر مزاج“، اسی برس (۲۶ نومبر) ممبئی میں تشدد حملے اور ایک پاکستانی اجمیل قصاب کے پکڑے جانے کے سبب بھارتی رائے عامہ میں جو تناؤ پیدا ہوا، اُس کے پیش نظر سیمینار کی ”سیکولر“ انتظامیہ نے گھبراہٹ میں پاکستانی شرکا کو نہ آنے کا مشورہ دیا، اور یوں اس موضوع سے متعلق نکات، مقالے کی صورت میں نہ ڈھل سکے کہ اپنے شاگردوں کو انتہا نصیحت کے باوجود استاد محترم کو خود آخری وقت میں مقالہ لکھنے کی عادت ہے، پھر اس استاد کو دو برس تک اوسا کا یونیورسٹی کے انسٹی ٹیوٹ فار ورلڈ لیٹریچر کے شعبہ اردو میں پڑھانے کا موقع ملا، واپسی سے دو ہفتے قبل کاغذات کی ورق گردانی کے دوران یہ دعوت نامہ سامنے آیا، تو بجائے روایتی مقالہ لکھنے کے، تحقیق کے طالب علموں سے ہم کلامی کا یہ حیلہ اور طریقہ وضع کیا گیا۔ چنانچہ سب سے پہلے تو اس موضوع کو سمجھنے اور سمجھانے کے لئے چار سوالات تشکیل

دیئے گئے: ۱۔ سیکولر مزاج کیا ہے؟، بھارتی معاشرے کو اس حوالے سے جو چیلنج درپیش ہیں، ان میں ایسے موضوعات کی حیثیت رسمی اور نمائشی ہے یا عوامی سطح پر مقبول بعض شاعر، تنگ نظری اور تھڑ دلی کی قوتوں کے مقابل ثقافتی حصار بنا سکنے والے عوامل کو ابھار سکتے ہیں؟ اور خود پاکستان میں جو مذہبی فاشزم (خود کو خدا کا مقرب خیال کر کے دیگر انسانوں کو حقیر خیال کرنا) کا، شکار ہے، اس موضوع پر غور و فکر کرنا کتنا اہم ہے؟ ۲۔ بے شک سیکولر کی اصطلاح نظیر کے زمانے میں مروج اور مانوس نہ تھی (جیسے 'فلاسیفی' مگر مرتبین نے نظیر کی معروف نظموں کے عنوانات میں اس کا اضافہ کر دیا ہے، آدی کی فلاسیفی، روٹی کی فلاسیفی، مفلسی کی فلاسیفی۔۔۔) تو کیا واقعی نظیر کا مزاج سیکولر ہے؟ اس کا جواب اثبات میں ہے، کیونکہ اس کی تخلیقات اس کی گواہی دیتی ہیں اور جن لوگوں کو اس کے مصرعے، بند اور نظمیں یاد ہیں اور وہ جھومتے ہیں اور نظیر کی آزاد منش اور وسیع الطرف شخصیت کا ایک نقش ابھر آتا ہے، نظیر کی شاعری سے پاکستان میں 'صالحین' کا خائف رہنا بھی تو شق کرتا ہے کہ اس کی شاعری کا بنیادی حوالہ اس کا سیکولر ہونا ہے؟ ۳۔ اگر نظیر سیکولر (آزاد شرب، کشادہ دل، روادار) ہے تو اس کے اسباب کیا ہیں؟ کیا اس کا معلم ہونا؟

برصغیر کے شاگردوں اور لوگوں کی یادداشت میں نقش بڑے استاد وہی ہیں جو اپنے مذہب اور مسلک میں تنگ رونہ تھے۔ یا پھر معلّمی سے زیادہ نظیر کے اس رویے کا سبب اس کی نشاط جوئی ہے، جس کی تسکین کے مواقع اس کے اپنے مذہبی تہواروں تک میں کم تھے، حالانکہ مذہبی تہواروں کی ثقافتی اپیل اور سرگرمی تقدیس میں نشاط انگیزی کی مرہون منت ہوتی ہے۔ ۴۔ بھارت اور پاکستانی معاشرے کے ساتھ ساتھ ان کی جامعات اور علمی و ادبی اداروں اور جرائد کا نظیر کی پذیرائی کے حوالے سے کوئی نمایاں فرق ہے؟

اب اگر کوئی مبتدی ہو، تو پہلے سوال کے جواب میں انسائیکلو پیڈیا، لغات اور سیاسیات کی کتب سے درجنوں حوالے تلاش کر کے پہلے 'سیکولر' کی لغوی اور اصطلاحی تعریفیں جمع کر کے اپنے مخاطب کو مرعوب مگر اپنی تحریر سے بے زار کر دے، حالانکہ اس کی بجائے اسے یہ جاننا چاہیے کہ 'سیکولر' کا مطلب 'لا دین' ہونا نہیں، 'غیر مذہبی' ہونا ہے، یعنی اپنے عقائد کو کسی اور پر مسلط کرنے کو اپنا حق یا فرض سمجھنا سیکولر ازم کے منافی ہے، چہ جائیکہ اپنے عقیدے یا مسلک کو ریاست کا ہی مذہب قرار دلوانے کے لئے عسکریت کا سہارا لینا (جھمکی اور دھونس کے ساتھ یہ بھی کہتے جانا کہ ہمارے دین میں اکراہ اور جبر کو دخل نہیں، منافقت یا خود فریبی کے ضمن میں آتا ہے)۔ گویا کسی شخص کا، روادار، وسیع القلب اور کشادہ نظر ہونا اور اپنے مذہب، مسلک یا مشرب کے 'غیر' کو بھی اپنے سے کم تر خیال نہ کرنا اور اس کے عقیدے یا رسم و رواج کے حوالے سے اس کی دل آزاری نہ کرنا سیکولر ہونا ہے۔ اسی طرح اس استاد نے آخری (چوتھے) سوال کو بھی محض اختتامیے کی فکری زینت خیال کیا کہ پاکستانی اور بھارتی معاشروں کا فرق اب بہت واضح ہو چکا ہے اور یہ بھی کہ بھارت میں تاریخ اور فلسفہ مقید یا مجبوس نہیں، اس لئے سماجی علوم اور ادبی تنقید میں بھارت کی برتری تو اب تسلیم شدہ ہے، پھر اس موضوع پر ماخذات کی تلاش اور تعین میں بھی اس بات کی تصدیق ہو جائے گی۔

گویا، اب بنیادی طور پر دو سوالات (۳ اور ۲) کے جواب کی ضرورت ہے، اس کے لئے بہت ضروری ہے کہ بنیادی اہمیت کی کتب کو تلاش کیا جائے، اور ظاہر ہے کہ کسی بھی 'عوامی شاعر' کے مستند دیوان یا کلیات سے بڑھ کر کوئی اور ماخذ بنیادی ماخذ نہیں ہو سکتا، خاص طور پر جب کوئی یہ بھی جانتا ہو کہ اس شاعر نے اپنے حلیے، پیشے، معمولات اور مشاغل کو خود ہی موضوع بنایا ہے۔ نول کشور پریس لکھنؤ سے شائع ہونے والے 'کلیات نظیر اکبر آبادی' (مرتب: مولانا عبدالباری آسی) کو مستند خیال کیا جاتا ہے، جس کی ترمیم (نوا) (۱۹۵۱ء، گیارہواں ایڈیشن) میں نہ صرف تصحیح متن اور تدوین کے محنت طلب کام کی جھلک ہے، بلکہ ایک تفصیلی مقدمہ بھی شامل ہے، اس استاد نے زکریا یونیورسٹی ملتان کی خلیل صدیقی ریسرچ لائبریری میں تو اسے دیکھا تھا (بلکہ سن آبدالا ہور کے ایک چرہ پرور شاعری ادارے نے بھی اسے شائع کر دیا ہے) تاہم

اپنی 'خوش چینی' کو اس طرح عجلت میں ایک رجسٹر میں نقل کیا گیا تھا کہ اب درست حوالوں یا متن کے لئے کلیات کو دوبارہ دیکھنے کی ضرورت تھی، مگر وہ اوسا کا میں فوری طور پر دستیاب نہیں تھا، تاہم خوش قسمتی سے انٹرنیٹ پر تلاش کرنے سے معلوم ہوا کہ پورے کلیات کا متن مع مقدمہ Allama Iqbal Urdu Cyber Library Network پر موجود ہوا، دوبارہ مطالعے سے اس موضوع سے متعلق داخلی شہادتوں کے ساتھ ساتھ یہ چند مفید معلومات بھی حاصل ہوئیں:

- (i) نظیر کی شاعری کا ایک مختصر مجموعہ، ان کے کچھ شاگردوں کی جانب سے میرٹھ سے شائع ہوا۔
- (ii) کلیاتِ نظیر کی تدوین نو کے کام کی تکمیل، عبدالباری آسی کی وفات کے بعد عبدالمومن الفاروقی نے کی، مگر اپنے نام کو بڑھانا، سعادت مندی کے خلاف سمجھا، سو یہ کلیات عبدالباری آسی کا ہی کہلاتا ہے۔ (iii) تفصیلی مقدمے میں نہ صرف سوانح، فن اور عہد کے حوالے سے معلومات فراہم کی گئیں، بلکہ یہ ذکر بھی آیا کہ مرزا فرحت اللہ بیگ کو نظام کالج حیدرآباد کے پروفیسر آغا حیدر حسن کے ذاتی ذخیرے سے نظیر کے دیوان کا ایک قلمی نسخہ ملا (جو ان کے دادا عبدالرحمن خان دہلوی کی ملکیت تھا) جو انہوں نے مرتب کر دیا اور جسے انجمن ترقی اردو ہند نے ۱۹۴۲ء میں شائع کیا تھا۔ (مرزا فرحت اللہ بیگ کو ہم مزاح نگار کے طور پر جانتے ہیں، بطور مرتب، محقق، نقاد اور مترجم، اردو ادبیات کے طالب علم مرزا کے کاموں سے زیادہ واقف نہیں) (iv) نیاز فتح پوری نے 'نگار' کا نظیر نمبر شائع کیا، جو لکھنؤ سے ۱۹۴۰ء میں شائع ہوا جسے ۱۹۶۰ء میں ڈاکٹر فرمان فتح پوری نے دوبارہ شائع کیا، (کلیاتِ نظیر کے مقدمے میں 'نگار' کے نظیر نمبر کے بہت سے مقالات کے اہم نکات کو بھی اسی طرح شامل کر لیا گیا ہے، جیسے نظیر کے بارے میں اردو تذکروں سے لے کر تاریخ و تنقید کی اہم کتابوں کے اقتباسات بھی جمع کر دیئے گئے ہیں)

ان کے علاوہ نظیر اکبر آبادی کی سوانح اور فن سے متعلق یہ بہت اہم کتابیں ہیں:

- ۱۔ زندگی بے نظیر، یعنی سوانح عمری نظیر (محمد عبدالغفور شہباز، لکھنؤ، ۱۹۰۰ء)۔ ۲۔ نظیر اکبر آبادی کی نظم نگاری، ایجوکیشنل پبلسٹنگ ہاؤس دہلی (۱۹۵۱ء)۔ ۳۔ نظیر اکبر آبادی: ان کا عہد اور شاعری (ڈاکٹر ابواللیث صدیقی، اردو مرکز، لاہور، اکتوبر ۱۹۶۷ء)۔ ۴۔ نظیر نامہ (محمد محمود رضوی مخمور اکبر آبادی، کراچی، ۱۹۷۹ء، غالباً یہی کتاب اتر پردیش اکادمی لکھنؤ سے 'روحِ نظیر' کے نام سے ایک برس پہلے ۱۹۷۸ء میں بھی شائع ہوئی، جبکہ یہ پہلی مرتبہ ۱۹۲۳ء میں شائع ہوئی تھی)۔ ۵۔ نظیر اکبر آبادی، انتخابِ کلیاتِ نظیر اکبر آبادی مع مقدمہ (مرتب: جلال الدین احمد جعفری، انوار احمدی پریس الہ آباد)۔ ۶۔ گلزارِ نظیر (مرتب: سلیم جعفر، ہندوستانی اکیڈمی، الہ آباد، ۱۹۵۱ء)۔ ۷۔ انتخابِ نظیر اکبر آبادی (مرتب: رشید حسن خاں، مکتبہ جامعہ دہلی)۔ ۸۔ نظیر نامہ (مرتب: شمس الحق عثمانی، دہلی، ۱۹۷۹ء)۔ ۹۔ نظیر شناسی (مرتب: مرزا اکبر علی بیگ، محمد علی اثر، حیدرآباد، ۱۹۸۸ء)۔ ۱۰۔ [The Life and Times of Nazir Akbar Abadi]

by Syed Muhammad Abbas, Vangaurd: 1991]

پھر شعرائے اردو کے تذکرے ہیں، جن میں ایک ('گلستانِ بے خزاں' از میر قطب الدین باطن) کے سوا، سبھی میں نظیر کی شخصیت کے لئے، توصیفی کلمات تو ہیں، مگر اس کی شاعری کے بارے میں 'طبقاتی' احساسِ فخر سے سرشار ہو کر کلماتِ تحقیر ہیں، اور محمد حسین آزاد تو کیا، حالی تک نظیر کے فن کے بارے میں تاریخی مغالطے کو توڑنے سے قاصر رہتے ہیں، البتہ ایس، ڈبلیو، فیلن (preface to Hindstani) (English Dictionary, London 1879) کا حوالہ اہم ہے، جس نے پہلی مرتبہ نظیر کی فنی عظمت کے سلسلے میں 'خواص' کو بھی قابل

کرنے کی کوشش کی۔ آزادی کے بعد، بدیسی آقاؤں سے خفگی یا 'پوسٹ کولونیل اینگر' کے باوجود فیملین کی اس رائے کی صرف تاریخی حیثیت نہیں، بلکہ اس نے نظیر کی شاعرانہ عظمت کی اساس متعین کی ہے: حقیقی شاعری کے یورپی معیار ادب سے نظیر واحد ہندوستانی شاعر ہے، ستم ظریفی دیکھئے کہ یہاں کے اہل ادب اسے سرے سے شاعر ہی تسلیم نہیں کرتے، نظیر واحد شاعر ہے، جس کی شاعری عوام تک پہنچی ہے، اس کی نظمیں گلی کوچوں میں پڑھی اور گائی جاتی ہیں، نظیر فکر و احساس کی ان تمام خصوصیات کا حامل تھا، جن سے چینس یا غیر معمولی شاعرانہ صلاحیت امتیاز حاصل کرتی ہے، اس کی نظمیں اس کی سوانح حیات ہیں اور بھرپور انفرادیت رکھتی ہیں (درج بالا کتاب، ص ۸، ix، viii)، اس سلسلے میں ٹی، ڈبلیو، ہیل کی کتاب Dictionary, Calcutta, 1894 An Oriental Biographical بھی تاریخی اہمیت کی ہے۔

مذکورہ کتب کے علاوہ اردو میں کئی تواریخ ادب اردو بھی دستیاب ہیں، مگر ان میں سے نظیر کے حوالے سے درج ذیل بہت مفید ہیں۔ ۱۔ تاریخ ادب اردو، جلد سوم (ڈاکٹر جمیل جالبی، مجلس ترقی ادب لاہور، جون ۲۰۰۶، فصل پنجم، دوسرا باب، صفحات: ۱۰۰۳ تا ۱۰۳۲) ۲۔ اردو ادب کی تاریخ، ابتدا سے ۱۸۵۷ء تک (ڈاکٹر تبسم کاشمیری، سنگ میل لاہور، ۲۰۰۳ء، باب نمبر ۱۵، صفحات: ۵۵۱ تا ۵۷۸) ۳۔ تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہندو ادب (جلد دوم) ۱۸۰۳ تا ۱۷۰۷ء (مدیران: سید فیاض محمود، سید وقار عظیم، نظر ثانی: ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا، پنجاب یونیورسٹی لاہور، ۲۰۰۹ء، آٹھواں باب، صفحات: ۱۶۳ تا ۱۸۲، مصنف: ڈاکٹر محمد صادق، حواشی: ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا) اور اگر بھارت اور پاکستان کی جامعات میں ہونے والے اس موضوع سے متعلق مقالات کی فہرست دیکھنا چاہیں، تو ڈاکٹر سہیل عباس کا کتابچہ 'جامعاتی تحقیق' (زکریا یونیورسٹی، ملتان، ۲۰۰۶ء) اور اسد فیض کی کتاب 'اردو تحقیق۔ مسائل و رفتار' (ہم عصر پبلی کیشنز، ملتان، ۲۰۰۱ء) کے مندرجات کے ساتھ ساتھ مختلف جامعات کے سربراہان شعبہ اور دیگر مطبوعہ فہرستوں سے حاصل شدہ معلومات کو کسی قدر منظم اور مبسوط انداز میں ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی نے 'جامعات میں اردو تحقیق' (۲۳۹ صفحات) کے عنوان سے ہائر ایجوکیشن کمیشن، اسلام آباد کے تعاون سے ۲۰۰۸ء میں جو کتاب شائع کی ہے، اس کے سیریل نمبر ۳۲۳۰ سے ۳۲۴۴ تک (ص: ۱۹۹، ۲۰۰) نظیر سے متعلق جامعات میں سندھی تحقیق کے زمرے میں آنے والے ۱۵ مقالات کا ذکر کیا ہے، تاہم اس فہرست میں نظیر لدھیانوی کی شاعری پر پٹیالہ یونیورسٹی سے ایم فل کی سطح پر لکھے جانے والے مقالے کا بھی ذکر ہے، تو یوں گویا مجموعی طور پر ۴۲ تحقیقی (سندی) مقالات لکھے گئے، جن میں ۱۳، بھارت میں جب کہ محض ایک پاکستان میں لکھا گیا، جو ایم فل کی سطح کا تھا، (مقالہ نگار: رانی لہنی ناز، موضوع: نظیر اکبر آبادی کی غزل گوئی، مگران: ڈاکٹر گوہر نوشاہی)، جب کہ ایک مقالے کے لئے معلومات کا ماخذ رسالہ 'قومی زبان' کراچی (۴-۲۰۰۵) بنایا گیا ہے، جس کی تصدیق کی گنجائش باقی ہے کہ بعض مضمون نگار اپنے منصب اور مقالے کی سطح کے حوالے سے مبالغے سے کام لے سکتے ہیں اور جناب جمیل الدین عالی کی طبیعت میں تو ایسے مبالغے کی حوصلہ افزائی کا عمومی رویہ موجود ہے۔ بہر طور بھارت میں جو ۱۲ مقالات لکھے گئے، ان میں دو، ڈی لٹ (محمد سلیمان): 'نظیر کی شاعری میں فطرت اور تہذیب کے عناصر' یا صاحب بھیم راؤ امید کر، بہار یونیورسٹی، مظفر پور، ملک زادہ منظور: 'نظیر اکبر آبادی حیات اور شاعری'، دین دیال اپا دھیائے یونیورسٹی گورکھپور) جب کہ ڈی، پی ایچ۔ ڈی اور ایک ایم۔ فل سطح کے ہیں۔

جہاں تک نظیر کی شخصیت کو بھارت میں ایک سیکولر نشانی کے طور پر ابھارنے کی تہذیبی اور سیاسی ضرورت رہی ہے، وہ تو آزادی سے بھی پہلے (۱۹۳۸ء) کی ایک تقریب کا ذکر سید محمد محمود رضوی جمہور اکبر آبادی کی کتاب 'نظیر نامہ' میں یوں کیا گیا ہے: 'بہشت چمچی کے دن، یوم نظیر منایا گیا اور باجے تاشے کے ساتھ ایک جلوس نکالا گیا جو میاں نظیر کی قبر پر گیا۔' (ص ۲۸) اور ساتھ ہی ساتھ اسی برس کے ۲۲ مارچ کے

آگرہ کے ہفتہ وار ایک انگریزی اخبار کے ادارے کا حوالہ بھی دیا گیا، جس میں یہ تک لکھا گیا کہ: ”صرف میاں نظیر ہی وہ کام انجام دے سکے جس میں مہاتما گاندھی، ہنوز ناکام ہیں۔“ (ص: ۲۹)

نظیر کے سیکولر مزاج کی مظہر شاعری کی مثالیں تلاش کرنے کے لئے کوئی بڑی کاوش نہیں کرنی پڑتی، ایسی مثالیں وافر ہیں:

جھگڑا نہ کرے مذہب و ملت کا کوئی یاں      جس راہ میں جو آن پڑے خوش رہے ہر آن  
 زنا ر گلے میں یا کہ بغل بیچ ہو قرآن      عاشق تو قلندر ہے نہ ہندو نہ مسلمان  
 کافر نہ کوئی صاحب اسلام رہے گا      آخر وہی اللہ کا ایک نام رہے گا  
 کوئی خالق، باری، رب، مولا، رحمن، رحیم اللہ، تنگڑی      کوئی الکھ روپ کرتا رکھے، نکال، زنجن، زدھاری  
 کوئی رام رام کہہ کر سرے، کوئی بولے شیو شیو ہری ہری      کوئی دانو، دنیث، دیوال، کوئی راچھس، دیوت جن پری  
 کل عالم تیری یاد کرے تو صاحب سب کا سچا ہے  
 بیٹھے ہیں مسجدوں میں مصلے بچھا بچھا      جے پہن کے ہاتھ میں تسبیح کو پھرا  
 واعظ کے ہر سخن میں ہے کھانے کا مدعا      عابد بھی دعوتوں میں عبادت ہے کر رہا  
 زاہد بھی مانگتا ہے دُعا پیٹ کے لیے  
 میں کیا کیا وصف کہوں یارو اُس شام برن اوتاری کے      سیکشن کنھیا مرلی دھر، من موہن، کنج بہاری کے  
 گوپال، منوہر، سانولیا، گھنشیام، اٹل بنواری کے      نندال ڈلارے سندر چھب، برج چندکٹ جھلکاری کے  
 کر دھوم لٹیا دودھ ماکن رچھور نول گردھاری کے      بن کنج پھرتا، راس رچن، سکھ دانئی، کانھ مراری کے  
 ہر آن دکھائے روپ نئے، ہر لیلایا نیاری نیاری کے      پت، لاج رکھیا ڈکھ بھجن، ہر بھگتی، بھگت ادھاری کے  
 نت ہر بھج، ہر بھج، رے باب، جو ہر سے دھیان لگاتے ہیں

جوہر کی آسا رکھتے ہیں، ہر اُن کی آس بچاتے ہیں (۲)

اب اس مرحلے پر ضرورت تھی کہ تذکروں، تواریخ ادب اور دیگر تنقیدی اور تحقیقی کتب کے ساتھ ساتھ کلیاتِ نظیر سے بھی وہ تمام شہادتیں دریافت کی جائیں، جو ان کے معلم ہونے کی نشاندہی نہیں تصدیق کرتی ہیں، سو اس استاد نے اپنی ایک جواں ہمت شاگرد (جو اسلامیہ یونیورسٹی، بہاولپور کے شعبہ اردو میں پڑھاتی ہیں) سے کہا کہ وہ ایسے شواہد کی فراہمی میں مدد کریں، سو انہوں نے مندرجہ ذیل ۱۰ حوالے، ۸ کتب سے فراہم کر دیئے، جن میں محض ایک ثانوی حوالہ ہے:

”بیچارے کی تمام عمر اکبر آبادی میں معطلی کرتے گذری اگر روایت صحیح ہے تو وہ روزانہ صبح بستی تاج محل سے اپنے مرید ٹیو پریٹھ کر آگرہ چلے جاتے تھے، دن بھر لڑکے پڑھاتے تھے، غالباً کھانا مل جاتا ہوگا، شام کو اسی ٹیو پریٹھ لوٹ آتے تھے، مفلسی کا یہ چکر ایسا تھا جس سے غالباً نظیر کو کبھی نکلنا نصیب نہ ہو۔“

(ڈاکٹر ابوالیث صدیقی، نظیر اکبر آبادی اُن کا عہد اور شاعری، لاہور: اردو مرکز گپت روڈ، اکتوبر ۱۹۶۷ء، ص: ۲۱)

”چوں کہ اُن کا مذہب اثنا عشری تھا بڑی دھوم سے نماز جنازہ حسب مذہب بے اثناء عشری پڑھائی گئی مگر دو نمازیں ہوئیں جس قدر اُن کے شاگرد اہل سنت تھے انہوں نے الگ اپنا گروہ کر کے نماز پڑھی اور اوپر کی چادر اُن کی پارچہ پارچہ کر کے اہل ہنود لے گئے۔ نہیں معلوم ہندو شاگردوں نے پارچے رکھے، جلائے کیا کیے۔“

(زندگانی بے نظیر، یعنی سوانح عمری نظیر، از عبدالغفار شہباز، لکھنؤ، ۱۹۰۰ء، ص ۱۱۸۔)

”معلّیٰ تو اخیر عمر تک انہوں نے نوکری ہی کی“

(ایضاً، ص ۱۹۵)

”ساری عمر معلّیٰ کے آزاد پیشے سے وابستہ رہے کچھ عرصے آگرے کے رئیس نواب محمد

علی خان کے لڑکوں کو پڑھایا۔“

(تاریخ ادب اُردو، از ڈاکٹر جمیل جالبی، جلد سوم، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۲۰۰۶ء، ص ۱۰۰ء)

”معلّیٰ اوقات گزاری می کند و یکشادہ پیشانی ایام زندگی بسر می برد“

(ابوالقاسم میر قدرت اللہ قادری، بحوالہ زندگانی بے نظیر)

”بمعلم گری اقامت بسر می برد“

(نواب اعظم الدولہ سرور عمدہ نتیجہ، دہلی، ۱۹۹۱ء، ص ۷۷۔)

”حلیم اور خلیق اور متواضع اور غریب آدمی تھا لڑکوں کو پڑھایا کرتا تھا۔“

(کریم الدین فیلین، دہلی، ۱۸۴۸ء، ص ۳۹۴)

”یہ تعلیم صدیاں بسر می برد“

(گلشن بے خار، مرتبہ کلب علی خان فائق، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹۷۴ء، ص ۶۲۳)

’زمانے نے ایسا ستا یا کہ معاش کی فکر دامن گیر ہوئی، پرانی کتابیں پاس تھیں، مدرسے کا پیشہ اختیار کیا‘

(عبدالباری آسی: کلیات نظیر (دیباچہ) لکھنؤ، نو لکھنؤ ۱۹۵۱ء، ص ۵۴)

’قلعہ دارمرہٹہ بھاؤ۔۔ نے بلایا اور آپ سے پڑھنا شروع کیا، یہاں سے چھٹے تو نواب محمد علی خان جو امرائے آگرہ سے تھے، ان کے بیٹوں کو پڑھانے جانے لگے، یہیں سے لالہ بلاس رائے کھتری سے راہ و رسم ہو گئی، اور (اس نے) اپنے بچوں کو سپردگی میں دیا، آخر عمر میں راجہ بلوان سنگھ، وائس کاشی کی سرکار سے تعلق ہو گیا تھا‘ (ایضاً)

خود نظیر اکبر آبادی کے اپنے کلام میں جہاں ان کے معلم و مدرس ہونے کی شہادت ملتی ہے، وہاں حیرت انگیز طور پر وہ صاف گوئی ملتی ہے، جس کا عام طور، وہ معلم، متمہل نہیں ہو سکتا، جس کی معاش کا کردگی سے وابستہ ہو، مگر یہاں ہمارا واسطہ مصلحت سوز نظیر سے ہے، وہ ’اعتراف‘ کرتا ہے کہ وہ معلم ہے، شاعر بھی، (سو) ’بزدل، ترسندہ جاں ہے، چنگی اور خامی کے درمیاں اس کی لکھائی یا خط ہے اور اگر کسی مشکل لفظ کے معنی آتے ہوں تو شاگردوں کو بتانا، وگرنہ سبق کی پڑھائی پر زور دینے جانا‘ کیا آئینہ روبرو کر دیا ہے، اس شاعر بے مثال نے! کہتے ہیں، جس کو نظیر، سینے، ٹک اس کا بیاں۔۔ تھا وہ معلم غریب، بزدل و ترسندہ جاں



ہم نے بھی دل اپنے کے تئیں کر کے نچھتا۔۔۔ اور ہنس کے کہا یا رسے اے لکڑ بھونمیتا

سب کی تو بستنیں ہیں یہ یاروں کا بستنا

اسی طرح ڈاکٹر جمیل جالبی کی یہ آرا بھی تحقیق کے طالب علموں کو مزید تحقیق (تحقیقی مقالات) پر اکساتے ہیں:

(i) ’نظیر دراصل اسی ہندی روایت کی شمع روشن کرتے ہیں، جس کا براہ راست رشتہ مولود ناموں، بچی ناموں وغیرہ کی ہندی روایت

سے ہے‘ (تاریخ ادب اردو، جلد سوم، مجلس، ترقی ادب لاہور، جون ۲۰۰۶ء، ص: ۱۰۰۴)

(ii) ’غالب نے جو پہلی نظم ۱۸۱۲ء میں (دیوان غالب کامل مرتبہ کالی داس گپتا) مثنوی کی ہیئت میں پینگ بازی پر لکھی، اس پر نظیر کا

واضح اثر واضح ہے‘ (ایضاً، ص: ۱۰۰۴)

(iii) ’نظیر نے جتنے الفاظ استعمال کئے ہیں، اتنے الفاظ کسی اردو شاعر حتیٰ کہ میر انیس نے بھی استعمال نہیں کئے، انہوں نے سینکڑوں

الفاظ اپنے گرد و پیش کی زبانوں اور بولیوں سے لے کر اردو زبان میں ایسے ٹانک دیئے ہیں کہ وہ آج زبان کا حصہ بن گئے

ہیں‘ (ایضاً، ص: ۱۰۱۸)

خاص طور پر اردو، ہندی لسانی تفریق، اٹھارہویں صدی کے نصف آخر اور انیسویں صدی کے اوائل میں آگرہ اور گردونواح میں

عوام اور خواص کی اظہاری سہولتوں میں ترجیحات کے امتیاز، ملتانی، پنجابی اور پوربی کے اردو کے ساتھ اشتراک اور امتیاز پر کام سے دل چسپی

رکھنے والے لسانیات اور سماجی علوم کے طالب علموں کے لئے بھی کلیات نظیر کا نازمطالعہ دل چسپی کا حامل ہو سکتا ہے۔